عظیم محدث اور فقیہ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے سوال کیا گیا: ان جھوٹی احادیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "**يَعِيشُ لَهَا الْجَهَابِذَةُ، ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ○﴾**" [فتح المغيث للسخاوي] "ان (کی تردید اور صحیح کی تحقیق) کے لیے فرمانِ الٰہی: "**یقیناً ہم نے ہی اس نصیحت کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں**" کے مطابق ماہر محدثین نے اپنی مبارک زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔"

جلیل القدر امام عبداللہ بن المبارکؒ کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن مجید کی تفسیر نبوی یعنی "حدیث شریف" کی حفاظت کے لیے اسناد اور راویوں کی تحقیق کے ذریعے صحیح احادیث نبویہ کا تحفظ کرنے والے محدثین کو اپنی زندگیاں اس راہ میں قربان کرنے کی توفیق عطا فرما رکھی ہے۔ اس لیے جھوٹے بدنیت راویوں کی دروغ گوئی سے اسلام کا چشمہِ صافی مکدر نہیں ہوسکتا۔ آج علم حدیث کا مطالعہ کرنے والا اس کا عملی ثبوت واضح طور پر دیکھ رہا ہے۔ اور یہ دین حق "اسلام" کا ایسا اکلوتا شرف ہے، جس میں ادیانِ عالم میں سے کوئی بھی دین **0.1%** بھی شریک نہیں۔

✿✿✿✿✿✿

"لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد......"

"**صلاةٌ في المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فيما سواه**" [سنن ابن ماجه ح:١٤٠٦، مسند أحمد ح:١٤٦٩٤، ١٥٢٧١ عن جابرؓ وصححه الألبانيؒ] "**مسجد الحرام شریف میں ایک نماز ادا کرنا دوسری جگہوں پر ایک لاکھ نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔**"

"**صلاةٌ في مسجدي هذا أفضل من ألف صلاةٍ فيما سواه إلا المسجد الحرام**" [صحيح البخاري ح:١١٣٣، صحيح مسلم ح:٣٤٤٠-٣٤٤٩، موطأ ح:٩٧٠] "**میری اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنا مسجد الحرام کے سوا دوسری جگہوں پر ایک ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔**"

"**فضل الصلاة في المسجد الحرام على غيره مائة ألف صلاة وفي مسجدي ألف صلاة وفي مسجد بيت المقدس خمسمائة صلاة**" [شعب الإيمان للبيهقي ح:٤١٤٠، ٤١٤٤ عن جابر، مسند البزار ح:٤١٤٢ عن أبي الدرداءؓ، السنن الصغير للبيهقي ح:١٣٩٧ عنهما۔ حسنه السيوطي بالرمز والهيثمي وخالفهم الألباني في الأرواء ح:١١٣٠] "**مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں سے افضل ہے۔**"

نسخۂ امن ومروت

رواداری و برداشت وقت کی اہم ترین ضرورت

ڈاکٹر بشیر الرحمٰن حنیف

عصر حاضر کے اختلافات اور اس پر مبنی فسادات اور بدامنی کی بنیادی وجوہات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رواداری و برداشت کا فقدان اس کی اہم ترین وجہ ہے۔ ہر شخص دوسروں کو برداشت کرنے اور ان کی بات' اگرچہ مناسب اور مبنی برصواب ہو' ماننے کو تیار نہیں۔ جبکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو باہمی رواداری اور برداشت کا درس دیتا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام ۱۰۸] ''اور گالی مت دو ان کو' جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں؛ کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔'' آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ایک اہم اصول کی ہدایت فرمائی ہے، جو اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک بنیادی اصول ہے۔ جو کام خود کرنا جائز نہیں، اُس کا ذریعہ بننا بھی جائز نہیں۔ اگر ایک کام کو انسان بُرا سمجھتا ہے، تو پھر اس کام کا محرک بننا بھی درست نہیں ہوگا۔ اسی سے رواداری کا اصول سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ پر جن حالات میں نازل ہوئی، اگر ان حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو خوب اچھی طرح یہ بات واضح ہوجائے گی کہ انسان کو کس حد تک رواداری کا خیال رکھنا چاہیے۔

علامہ ابن جریر الطبریؒ کی تفصیلات کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب مرض الموت میں تھے، تو قریش کے مشرک سردار' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی کرنے اور تکلیفیں پہنچانے میں لگے ہوئے تھے، انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ ابوطالب کی وفات ہمارے لیے مشکل مسئلہ بنے گی؛ کیونکہ اگر ہم ابوطالب کے بعد انُ کو قتل کریں تو لوگ کہیں گے کہ ابوطالب کے سامنے تو کچھ نہ کرسکے، اب اکیلا پا کر قتل کردیا۔ لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ خود ہم ابوطالب سے مل کر فیصلہ کن بات کرلیں۔ چنانچہ قریشی سرداروں نے اس مشورے کے تحت ابوطالب کی طرف ایک نمائندہ وفد بھیج دیا، جس میں ابوسفیان، ابوجہل اور عمرو بن العاص شامل تھے۔ ابوطالب سے ملاقات کا وقت لینے کا کام ایک شخص مطلب کے سپرد ہوا، اُس نے ابوطالب سے اجازت لے کر وفد کو وہاں پہنچایا۔

وفد نے ابوطالب سے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو اور ہمیں سخت تکلیف پہنچا رکھی

ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ آپ اُن کو بُلا کر سمجھائیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہیں۔ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بُلایا اور کہا: یہ آپ کی برادری کے سردار آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آئندہ آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہیں، اس طرح مخالفت ختم ہوجائے گی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں تو کیا تم ایسا کلمہ کہنے کے لیے تیار ہوں گے جس کے کہنے سے تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے؟! ابوجہل بولا: ایسا کلمہ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں۔بتائیں وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لآ إلٰـه إلا الله'' یہ سنتے ہی سب برہم ہوگئے۔ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے! اس کلمے کے سوا اور کوئی بات کہو؛ کیونکہ آپ کی قوم اس کلمہ سے گھبرا گئی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا، اگر چہ وہ آسمان سے آفتاب لاکر میرے ہاتھ پر رکھ دیں۔اس پر وہ لوگ ناراض ہوکر کہنے لگے: پھر ہم بھی آپ کے معبود کو بُرا کہیں گے۔اس پر سورہ الانعام کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ''آپ ان کے بتوں کو بُرا نہ کہیں جن کو اُن لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے، ورنہ وہ اپنی بے راہروی اور بے سمجھی سے اللہ تعالیٰ کو بُرا کہیں گے۔''[تفسیر طبری ۱۲/۳۵]

رواداری کا یہ سنہری اصول ذہن میں آنے کے بعد ایک سوال ابھرتا ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بتوں کا تذکرہ سخت الفاظ میں کیا گیا ہے، جیسے فرمایا: ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ [الحج ۷۳] یعنی ''یہ بُت بھی کمزور اور اس کے چاہنے والے بھی کمزور ہیں۔'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الأنبیاء ۹۸] یعنی ''تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہیں۔'' ان آیات میں بتوں کو بُرا کہا گیا ہے، پھر رواداری کا مطلب کیا ہوا؟ تفسیر روح المعانی میں اس بات کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان آیات میں کسی کو بُرا بھلا کہنا مقصود نہیں، بلکہ غلط کام کا بُرا انجام بتانا مقصود ہے۔لہٰذا یہ رواداری کے خلاف نہیں۔ [دیکھئے: ۷/۲۵۲]

رواداری کی ایک اور مثال حدیث میں ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟! فرمایا: ''ہاں! جب کوئی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے، تو دوسرا اُس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔اور اگر وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے، تو دوسرا جواباً اُس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''[صحیح مسلم ۱/۹۲] اس حدیث میں دوسروں کے والدین کو گالی دینے سے منع کیا جارہا ہے کہ مبادا ردعمل کے طور پر کہیں دوسرے اُس کے والدین کو گالی نہ دیں۔یہ حدیث رواداری اور برداشت کی اہمیت کو

خوب اجاگر کرتی ہے کہ ایک انسان کے اندر اگر یہ صفت پائی جائے تو وہ بہت ساری مشکلات سے نجات پا سکتا ہے؛ کیونکہ جب معاشرے میں کسی بھی مرحلے میں دوسرے کو بُرا کہا جائے گا، تو جواب میں بُرا ہی سننے کو ملے گا۔ یہاں سے فساد کا دروازہ کھل جائے گا، جس سے ایک گھر کے افراد میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ باپ بیٹا ایک ساتھ کھانا چھوڑ دیتے ہیں، صرف اس لیے کہ باپ نے اُسے بُرا کہا جسے بیٹا اچھا سمجھتا تھا۔

رواداری اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات میں سے ہے۔ اچھے شہریوں کی خوبی رواداری وبرداشت ہے۔ اسی طرح یہ اُمت مسلمہ کی امتیازی خصوصیت بھی ہے۔ اسلام نے جہاں یہ تعلیم دی ہے کہ کسی کو بُرا نہ کہو، وہاں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ اگر تمہیں کوئی بُرا کہے، تو عفو ودرگزر سے کام لو۔ جیسے اللہ رب العزت نے "عباد الرحمٰن" کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۝﴾ [الفرقان ٦٣] "رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ اُن سے (جھگڑنے کی) بات کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔" یعنی وہ اہل جہالت وسفاہت سے اُلجھتے نہیں؛ بلکہ اعراض کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بحث ومجادلہ ترک کرتے ہیں۔ یہی صفت رسول اللہ ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے تھی کہ آپ ﷺ نے ہر وقت تحمل وبرداشت سے کام لیا، جیسا کہ طائف کے اوباشوں نے جب آپ ﷺ پر حملہ کرکے زخمی کر دیا اور فرشتے نے آپ ﷺ سے اُن کی بربادی کی اجازت مانگی، تو: "**اللهم اهد قومي فإنهم لايعلمون**" کا تاریخی جملہ ارشاد فرما کر اجازت دینے سے انکار کیا۔ اسی طرح بیت اللہ شریف میں ایک دفعہ جب عقبہ بن ابی معیط نے اونٹنی کی بچہ دانی لاکر آپ ﷺ کی گردن پر رکھی، تب بھی آپ ﷺ نے عفو ودرگزر کی حد کر دی۔ فتح مکہ کے عظیم ترین موقع پر "**انتم الطلقاء**" جاؤ تم سب آزاد ہو' کا نعرہ لگا کر اپنے خون کے پیاسے ازلی دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔

یہ تھی قرآن وسنت کی روشنی میں رواداری وبرداشت کی اہمیت۔ قرآن وسنت کے بیسیوں دلائل رواداری وبرداشت کی اہمیت وضرورت اور فوائد کو واضح کرتے ہیں۔ مگر صد افسوس آج لوگ رفتہ رفتہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے تحمل وبرداشت جیسی صفت سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ نتیجتاً ہر گھر، خاندان، معاشرہ حتیٰ کہ فقہی مسالک کے درمیان نفرت پھیلتی جارہی ہے۔ اور مسلم معاشرہ ایک مثالی اور پُرامن معاشرہ بننے کی بجائے بدامنی اور نفرت کا گہوارہ بن چکا ہے۔ صد حیف اُن نام نہاد اہل علم ودانش پر بھی کہ جن کے ذوقِ تقریر وتحریر کو اُس وقت تک سکون نہیں ملتا، جب تک وہ اپنے مخالفین پر کفر وشرک کے فتوے نہ لگالیں۔ مخالفین کے ساتھ اختلاف کی نوعیت اگرچہ فروعی حد تک ہو، مگر انہیں اس